جگر مراد آبادی

(1890ء تا 1958ء)

آدمی آدمی سے ملتا ہے

تدریسی مقاصد

www.office.com.pk

- غزل کے محاسن سے طلبہ کو واقف کروانا۔
- طلبہ میں شعر کو سمجھنے کا شعور پیدا کرنا۔
- طلبہ کو سہلِ ممتنع سے آگاہ کرتے ہوئے اس کی مزید مثالیں بتانا۔
- طلبہ کو جگر مراد آبادی کی شاعری کے اسلوب سے واقفیت کروانا۔
- طلبہ کو جگر مراد آبادی کے حالاتِ زندگی سے آگاہ کرنا۔
- ردیف اور قافیے کے مابین فرق کو واضح کرنا۔

شاعر کے حالاتِ زندگی

علی سکندر نام، جگر تخلص تھا۔ 1890ء میں مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان، شاہانِ مغلیہ کے دربار میں اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ جگر کے والد مولوی علی نذر بھی صاحب دیوان شاعر تھے اور خواجہ وزیر لکھنوی کے شاگرد تھے۔ جگر کے دادا بھی غزل گو شاعر تھے۔ اس طرح جگر ایک طرح پیدائشی شاعر تھے۔ شاعری میں اصغر گونڈوی کے شاگرد تھے۔ یہ وہ دور تھا، جب ملک میں مرزا داغ دہلوی کی عاشقانہ غزلوں کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ جگر کا مزاج بھی عاشقانہ تھا، انھوں نے ہوش سنبھالتے ہی غزل کی صورت میں قافیہ پیمائی شروع کر دی۔

جگر کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملا۔ مگر شاعری کا ذوق سلیم ترکے میں ملا تھا۔ ابتدا میں اپنے والد سے اصلاح لی۔ بعد میں داغ دہلوی اور تسنیم لکھنوی کو کلام

http://www.office.com.pk

دکھانے لگے۔

جگر اول و آخر ایک شاعر تھے۔ انھوں نے اور سب مشاغل کے مقابلے میں اگر کوئی کام نمایاں طور پر کیا ہے تو وہ صرف شعر و شاعری ہے اور اس میں سے غزل گوئی ہے۔ جدید دور کے غزل گو شاعروں میں جگر کا نام بہت نمایاں ہے۔ جگر صرف اور صرف غزل کے شاعر تھے۔ ان کی شہرت اور مقبولیت کا دارومدار صرف ان کی غزل گوئی پر ہے۔ غزل گو شاعر کی حیثیت سے نقادوں نے مولانا حسرت موہانی کی طرح ان کو بھی رئیس المتغزلین قرار دیا ہے۔ یقیناً یہ امتیاز جگر کے قبولِ عام کا ایک ثبوت ہے۔

جگر اردو کے ان مقبول و ہر دلعزیز شاعروں میں شامل ہیں، جن کو پڑھا بھی گیا اور سنا بھی گیا۔ وہ مشاعروں کے شاعر تھے۔ وہ جب کسی مشاعرے میں شامل ہوتے تو اس پر چھا جاتے تھے۔ اس کا ایک سبب تو ان کے کلام کی خوبیاں ہیں، اور دوسرا وہ اپنا کلام دل آویز ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے اور لوگ ان کے اشعار اور اندازِ ترنم سے مسحور ہو جاتے تھے۔

تصانیف: جگر کے جو شعری مجموعے چھپ چکے ہیں، ان میں حسب ذیل خاص طور پر مشہور ہیں: شعلۂ طور، جذباتِ جگر، تخیلاتِ جگر، نغماتِ جگر، دردِ جگر اور آتش گل۔

ان کے سارے مجموعے مقبولِ عام ہوئے۔

وفات: جگر مراد آبادی نے 9 دسمبر 1960ء کو وفات پائی۔

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ستم	ظلم	ہنسی	قہقہے لگانا
سادگی	سادہ دلی	سلسلہ	ربط
خوش قامتی	دراز قد، لمبا قد	فتنۂ قیامت	قیامت کا سانحہ

http://www.office.com.pk

بے خودی	ہوش میں نہ رہنا لیکن یہاں جذبۂ عمل مراد ہے	ہمسائیگی	ہمسایہ ہونا، قریب رہنا
ٹوٹ کر	منقطع ہو کر، الگ ہو کر	سنورنا	درست ہونا، ٹھیک ہونا

اشعار کی تشریح

شعر نمبر 1 آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

حل لغت

آدمی: انسان

مفہوم

آدمی تو آدمی سے ملتا ہے مگر کسی سے دل نہیں ملتا۔

تشریح

جگر مراد آبادی کی یہ سادہ سی غزل اپنے اندر وسیع معنی سموئے ہوئے ہے۔ اس چھوٹے سے شعر میں انھوں نے انسانی نفسیات کو بیان کیا ہے۔ اس شعر میں وہ دنیا کی خودغرضی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم بظاہر تو ایک دوسرے سے ملاقات رکھتے ہیں لیکن دل سے کسی کے ساتھ ملنا نہیں چاہتے۔ ہمارے دل میں کینہ بھرا ہوا ہے۔ یہاں جگر لوگوں کے قول و فعل میں تضاد کو بیان کر رہے ہیں۔ ہم ہاتھ سے ہاتھ تو ملاتے ہیں مگر ہمارے دل دوسروں کے دل سے نہیں ملتے ہیں۔ بقول شاعر

ے یہ چلن عام ہے اس دور کے انسانوں کا
فاصلے دل میں رکھے اور بغل گیر ہوئے

یعنی اگر ہمارا کوئی دوست ہم سے ملنے آ جائے تو ہم بظاہر اس کی بہت آؤ بھگت

http://www.office.com.pk

کرتے ہیں لیکن دل میں یہی سوچ رہے ہوتے ہیں کہ کاش یہ جلدی ہی یہاں سے چلا جائے تا کہ ہم اپنے دوسرے کام دیکھیں۔ انسانوں میں سے خلوص ختم ہوتا جا رہا ہے اور اس کی جگہ اب ظاہر داری نے لے لی ہے۔

شعر نمبر2 بھول جاتا ہوں میں ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے

حل لغت

ستم: ظلم۔ سادگی: سادہ دلی

مفہوم

میں اس کے ستم بھول جاتا ہوں جب وہ سادہ دلی سے ملتا ہے۔

تشریح

اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میرا محبوب مجھ پر بہت ظلم و ستم کرتا ہے۔ محبوب کی طرف سے سب سے بڑا ستم اس کا نہ ملنا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں تنہائی میں بارہا ذہن میں یہ خیال لاتا ہوں کہ جب میری ملاقات اپنے محبوب سے ہوگی تو سب سے پہلے میں اس کی بے رخی کا گلہ کروں گا۔ اس کے بعد اس کی جدائی میں گزارے ہوئے پل اس کے گوش گزار کروں گا۔ اس کی جدائی میں میرا جو حال ہوا ہے اس کے بارے میں بتاؤں گا۔ جدائی میں شاعر کو محبوب کی طرف سے کیا گیا ہر ظلم و ستم یاد آتا ہے مگر جب اس کی ملاقات اپنے محبوب سے ہوتی ہے تو وہ ساری باتیں بھول جاتا ہے۔ محبوب کو سامنے پا کر ہر ظلم و ستم ذہن سے محو ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر

؎ سو باتیں کہنے کی ہیں مگر اُن کے روبرو
اک چُپ نیچی نظر گویا ہیں شرمائے ہوئے

http://www.office.com.pk

اسی مضمون کا ساغر صدیقی نے کچھ اس طرح باندھا ہے۔

ہائے آدابِ محبت کے تقاضے ساغرؔ
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

شعر نمبر3
آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ، تیری ہنسی سے ملتا ہے

حل لغت

رنگ: روپ، شکل وصورت

مفہوم

آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا رنگ و روپ تیری ہنسی جیسا ہے۔

تشریح

یہ تشبیہ کا شعر ہے۔ شاعر پھولوں کے کھلنے کو محبوب کی ہنسی سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ زندگی میں بہار آ گئی ہے۔ ہر طرف پھول ہی پھول کھلے ہیں اور ان پھولوں کا رنگ و روپ میرے محبوب کی ہنسی جیسا ہے۔ جب میرا محبوب کسی بات پر خوش ہوتا ہے تو اس کے ہونٹوں پر ہنسی آ جاتی ہے۔ مجھے یہ ہنسی بہت بھاتی ہے۔ باغ میں آج ایسی کیا بات ہے کہ پھولوں کا رنگ و روپ نکھر گیا ہے۔ مجھے یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے یہ پھول نہ کھلے ہوں بلکہ میرا محبوب مسکرایا ہو کیوں کہ پھولوں کا کھلنا میرے محبوب کی ہنسی جیسا ہے۔

شعر نمبر4
سلسلہ، فتنۂ قیامت کا
تیری خوش قامتی سے ملتی ہے

حل لغت

سلسلہ: ربط۔ فتنۂ قیامت: قیامت کا سانحہ۔ خوش قامتی: دراز قد ہونا

http://www.office.com.pk

مفہوم

قیامت کے سانحے کا سلسلہ تیرے لمبے قد سے ملتا ہے۔

تشریح

شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تیری خوش قامتی میرے دل پر غضب ڈھاتی ہے۔ مختلف شعرا نے اپنے محبوب کے مختلف اجزائے جسمانی کی تعریف میں شعر لکھے ہیں۔ کسی نے اپنے محبوب کے ہونٹوں کی تعریف کی ہے تو کوئی اپنے محبوب کی زلفوں پر نثار ہے۔ کسی نے اپنے محبوب کی آنکھوں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے ہیں تو کوئی اپنے محبوب کے دانتوں کو موتی سمجھتا ہے۔ خواجہ حیدر علی آتش کہتے ہیں۔

ہمیشہ لکھے وصفِ دندانِ یار
قلم اپنا موتی پرویا کیا

میر تقی میر یوں کہتے ہیں۔

نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

احمد فراز اپنے محبوب کی آنکھوں کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

اُس کی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
سونے والوں کی طرح جاگنے والوں جیسی

اس طرح جگر مراد آبادی اپنے محبوب کی خوش قامتی کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے محبوب کا دراز قد میرے دل پر قیامت ڈھاتا ہے۔ مجھے اپنے محبوب کا خوش قامت ہونا بہت بھاتا ہے۔ اسے دیکھ کر میرا دل اتھل پتھل ہو جاتا ہے۔ جب میں اپنے محبوب کو دیکھتا ہوں تو میرا اپنے دل پر قابو نہیں رہتا۔ اس پر ایک قیامت سی گزر جاتی ہے۔

http://www.office.com.pk

شعر نمبر 5

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل، اسی سے ملتا ہے

حل لغت

ملنا: میسر ہونا۔ ٹوٹ کر: مایوس ہو کر، شدت سے، سلسلہ منقطع کر کے

مفہوم

جو مل کے بھی کبھی نہیں ملتا، اسی سے دل ٹوٹ کر ملتا ہے۔

تشریح

یہ معرفت کا شعر ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہر طرف ہے۔ جس چیز کو بھی دیکھیں اس میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ نمایاں ہوتا ہے۔ وہ ذرّے ذرّے میں نہاں ہے پھر بھی وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔ بقول شاعر

؎ اپنی پہچان کی خاطر ہے بنایا سب کو
سب کی نظروں سے مگر خود کو چھپا رکھا ہے

انسان دنیا میں آ کر بے شمار کام کرتا ہے۔ وہ دوسرے لوگوں سے بہت سی امیدیں وابستہ کر لیتا ہے لیکن بسا اوقات اس کی یہ امیدیں پوری نہیں ہوتیں۔ ایسے میں وہ مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر مایوسی کے اس عالم میں وہ اللہ تعالیٰ سے لَو لگا لیتا ہے۔ یہ شعر سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔ شاعر نے ''ٹوٹ کر'' کو دہرے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ٹوٹ کر ملنا محاورہ ہے جس کا مطلب ہے کسی ایک سے قطع تعلق کر کے کسی دوسرے سے جا ملنا۔ یعنی جب انسان کا ناتا اس دُنیا سے ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اس دنیا سے قطع تعلق کر لیتا ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملتا ہے۔ ٹوٹ کر ملنا کا ایک اور مطلب ہے ''بڑی کوشش سے ملنا۔'' اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ انسان اس دنیا میں آ کر اس کی رنگینوں میں کھو جاتا ہے۔ وہ اپنا دنیا میں آنے کا مقصد بھول جاتا ہے۔ جب

http://www.office.com.pk

اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خیال آتا ہے تو وہ بڑی شدت اور گرم جوشی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

شعر نمبر 6 کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں
دل جب بے خودی سے ملتا ہے

حل لغت

کاروبارِ جہاں: دُنیا کے کام۔ سنورنا: سجنا، مناسب ہونا۔ بے خودی: اپنے آپ میں نہ رہنا یہاں مراد ہے جذبۂ عمل پیدا ہونا

مفہوم

دنیا کے کام اس وقت سنورتے ہیں جب انسان میں کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

تشریح

انسان دنیا میں آکر مختلف قسم کے کام سرانجام دیتا ہے۔ کچھ کام تو پایہ تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں اور کچھ کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ جو کام مکمل نہیں ہوتے ان کے پیچھے جذبے کا فقدان ہوتا ہے۔ اگرچہ انسان ہوش وحواس سے کام لے کر ہی کسی کام کی منصوبہ بندی کرتا ہے مگر جب تک انسان میں جذبۂ عمل نہ ہو کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کے کاموں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے جوش وخروش کے ساتھ ساتھ جذبۂ عمل بے حد ضروری ہے۔ عمل کے بغیر کوئی بھی کام مکمل نہیں ہوتا۔ بقول شاعر

جنھیں جستجوئے سکوں رہی انھیں ساحلوں نے ڈبو دیا
انھیں کوئی بھی موج نہ چھو سکی جو تڑپ کے پار اتر گئے

انسانی زندگی کا دارومدار ہی جذبۂ عمل پر ہے۔ جو لوگ بیٹھ کر منصوبہ بندی کرتے ہیں لیکن عملی طور پر صفر ہوتے ہیں وہ زندگی کے کسی میدان میں بھی

http://www.office.com.pk

کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

رُکے جو لوگ تو اک آبِ جُو بھی دریا تھی
اُترے تو سمندر بھی تا کمر نکلے

شعر نمبر 7
روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہمسایگی سے ملتا ہے

حل لغت

مزا: لطف۔ محبت: الفت۔ ہمسایگی: پڑوس، پاس کا مکان

مفہوم

روح کو بھی محبت کا مزا دل کے قریب رہنے سے ملتا ہے۔

تشریح

انسان کی اصل دو طرح سے ہے۔ ایک اس کا جسمِ کثیف اور دوسرا جسمِ لطیف۔ جسمِ کثیف سے مراد انسان کا مادی جسم ہے جسے فنا ہو جانا ہے۔ اس میں انسان کے اعضائے جسمانی شامل ہیں۔ جسمِ لطیف سے مراد انسان کی روح ہے۔ روح اور جسم کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ روح کے بغیر جسم بے کار ہے اور جسم کے بغیر روح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انسانی دل مختلف قسم کے خیالات کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ اس میں اچھے اور برے ہر طرح کے خیالات پرورش پاتے ہیں لیکن روح ایک پاکیزہ جذبے کا نام ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر دل میں اچھے خیالات ہوں تو انسانی روح خوش رہتی ہے۔ پھر اسے دل کے قریب رہنے میں مزا ملتا ہے۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بسی ہو تو روح مطمئن اور شاداب رہتی ہے۔

حل مشقی سوالات

1- مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجیے:

(الف) اس غزل کے مطلع کی نشان دہی کیجیے اور اپنی کاپی میں اسے الگ لکھیے۔

جواب: اس غزل کا مطلع درج ذیل ہے۔

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے

(ب) پھولوں کا رنگ ہنسی سے ملنے کا مفہوم واضح کیجیے۔

جواب: دیکھیے تشریح شعر نمبر 3

(ج) ہوش اور بے خودی کے ملنے سے دُنیا کے کاروبار کیسے سنورتے ہیں؟

جواب: انسان جب ہوش و حواس میں رہ کر اپنے اندر جذبۂ عمل پیدا کرتا ہے تو دنیا کے کام کاج سنورنے لگتے ہیں۔ جذبۂ عمل ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

(د) مطلع میں کس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟

جواب: مطلع میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آج کے دور کا انسان خودغرض ہو گیا ہے۔ وہ بناوٹ کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ وہ بظاہر تو لوگوں سے ملتا ہے لیکن دل سے نہیں ملتا۔

(ہ) پانچویں شعر میں مل کر نہ ملنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جلوہ ہر جگہ موجود ہے۔ ہم ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھ سکتے ہیں، اس کے باوجود ہم مادی طور پر اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے، صرف اس کے مظاہر سے اسے محسوس کر سکتے ہیں۔

2- **مندرجہ ذیل الفاظ کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے:**

آدمی، دل، ستم، ہنسی، قیامت، ہوش، روح، ہمسایگی

الفاظ	تذکیر/تانیث	جملوں میں استعمال
آدمی	مذکر	میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں گا۔

http://www.office.com.pk

دل	مذکر	شیر کو سامنے دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔
ستم	مذکر	محبوب کا ہر ستم گوارا ہوتا ہے۔
ہنسی	مؤنث	بچوں کے ہونٹوں پر ہنسی بہت اچھی لگتی ہے۔
قیامت	مؤنث	اس گرمی نے تو قیامت برپا کر دی ہے۔
ہوش	مذکر	مریض کو کافی دیر ہوش نہ آیا۔
روح	مؤنث	بوڑھے کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔
ہمسائگی	مؤنث	اچھی ہمسائگی دنیا میں جنت ہے۔

3- مندرجہ ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

جواب: دیکھیے تشریح

4- جگر مراد آبادی کی غزل کا متن ذہن میں رکھ کر درست جواب پر نشان (✓) لگائیں:

(الف) محبوب کے سادگی سے ملنے کا شاعر پر کیا اثر ہوتا ہے؟

(i) خوشی سے پھولا نہیں سماتا (ii) محبوب کے ستم بھول جاتا ہے
(iii) نشہ سا چھا جاتا ہے (iv) ہر غم بھول جاتا ہے

(ب) پھولوں کا رنگ محبوب کی کس بات سے ملتا ہے؟

(i) ہنسی سے (ii) شکل و صورت سے
(iii) تازگی اور نزاکت سے (iv) خوش پوشی سے

(ج) فتنہ قیامت کا سلسلہ کس سے ملتا ہے؟

(i) محبوب کی خوش قامتی سے (ii) خوش ادائی سے
(iii) انگڑائی سے (iv) محفل آرائی سے

(د) دل ٹوٹ کر کس سے ملتا ہے؟

(i) کج ادا سے (ii) دلربا سے
(iii) خوش ادا سے (iv) مل کر بھی جو نہیں ملتا

(ہ) بے خودی سے ہوش آنے پر کیا ہوتا ہے؟

http://www.office.com.pk

(i) افسوس (ii) کاروبارِ جہاں سنور جاتے ہیں
(iii) بے خودی کو جی چاہتا ہے (iv) اداسی بڑھ جاتی ہے

(و) **روح کو محبت کا مزہ کب ملتا ہے؟**
(i) دل کی ہمسائیگی میں (ii) ہجرہ فراق میں
(iii) وصال میں (iv) تنہائی اور یک سوئی میں

(الف)	(ii)	(ب)	(i)	(ج)	(i)	(د)	(iv)
(ہ)	(ii)	(و)	(i)				

5- **قوسین میں دیے گئے الفاظ میں سے درست جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔**
(الف) دل مگر کم کسی سے ملتا ہے **(محبوب، دل، آدمی)**
(ب) دوسرے شعر میں "وہ" سے مراد محبوب ہے۔ **(محبوب، آدمی، دوست)**
(ج) کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں۔ **(عاشقاں، جہاں، دُنیا)**
(د) ساتواں شعر غزل کا آخری شعر ہے۔ **(مطلع، مقطع، آخری شعر)**

6- **اس غزل میں ردیف اور قوافی کی نشان دہی کیجیے۔**
جواب: اس غزل کی ردیف "سے ملتا ہے" ہے۔
اس غزل کے قوافی درج ذیل ہیں۔
آدمی، کسی، سادگی، ہنسی، قامتی، اُسی، بے خودی، ہمسائگی

سرگرمیاں

1- **جگر کی یہ غزل زبانی یاد کریں اور اپنی کاپی میں لکھیں۔**
جواب: بچے اس غزل کو زبانی یاد کریں اور کاپی پر لکھ کر اپنے استاد صاحب کو دکھائیں۔

2- **جماعت کے کمرے میں درست تلفظ کے ساتھ اس غزل کی بلند خوانی کی جائے۔**
جواب: جماعت میں اگر کوئی خوش الحان بچہ ہو تو وہ جگر کی یہ غزل بلند آواز میں خوش الحانی سے پڑھے اور باقی بچے خاموشی سے سنیں۔

3- **جگر مراد آبادی کے حالاتِ زندگی اپنے استاد سے پوچھ کر کاپی پر نوٹ کریں۔**
جواب: دیکھیے حالاتِ زندگی

http://www.office.com.pk

اساتذہ کرام کے لیے

1- **طلبہ کو جگر کی کوئی اور غزل لکھوائی جائے اور پھر ان سے پڑھوا کر سنی جائے۔**

جواب: جگر مراد آبادی کی غزل

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جس رنگ میں دیکھا تجھے یکتا نظر آیا

جب اس رخ پر نور کا جلوہ نظر آیا
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا

یہ حسن، یہ شوخی، یہ کرشمہ، یہ ادائیں
دنیا نظر آئی مجھے، تو کیا نظر آیا

قربان تیری شانِ عنایت کے دل و جان
جب آنکھ کھلی، قطرہ بھی دریا نظر آیا

جب دیکھ نہ سکتے تھے، تو دریا بھی تھا قطرہ
اس کم نگہی پر مجھے کیا کیا نظر آیا

آنکھوں نے دکھا دی جو ترے غم کی حقیقت
عالم مجھے سارا تہ و بالا نظر آیا

ہر جلوے کو دیکھا ترے جلووں سے منور
ہر بزم میں تو انجمن آرا نظر آیا!

2- **جگر کے حالاتِ زندگی طلبہ پر واضح کیجیے**

جواب: دیکھیے حالاتِ زندگی

3- **سہل ممتنع کی وضاحت کرتے ہوئے میر تقی میرؔ کی کوئی غزل اور مومنؔ کی غزل "تم میرے پاس ہوتے ہو گویا" طلبہ کو سنائی جائے۔**

جواب: ایسا آسان شعر کہ اس سے زیادہ آسان شعر کہنا ممکن نہ ہو، سہلِ ممتنع کہلاتا ہے۔ عام طور پر ایسے شعر دو معنوں میں ہوتے ہیں۔

میر تقی میر کی غزل

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

http://www.office.com.pk

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا
بس اے گریہ آنکھیں ترے کیا نہیں ہیں
کہاں تک جہاں کو ڈبوتا رہے گا
بس اے میؔر مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

مومن خاں مومنؔ کی غزل

اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے
تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم
حرف ناصح بُرا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دُنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو
دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمھارے سوا نہیں ہوتا

http://www.office.com.pk

کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومنؔ
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

4- غزل اور نظم کا فرق بتایا جائے۔

جواب: **نظم اور غزل میں فرق**

غزل بنیادی طور پر تو نظم ہی ہے البتہ معروف معنوں میں نظم کے اشعار مرکزی خیال کے مطابق ایک ترتیب میں ہوتے ہیں جب کہ غزل کا ہر شعر الگ اکائی ہوتا ہے۔ غزل کے ہر شعر کا الگ مفہوم ہو سکتا ہے، جو سوز و گداز غزل کا لازمہ ہے وہ نظم کا نہیں ہے اور جو شکوہ لفظی نظم میں ممکن ہے وہ غزل میں نہیں۔ نظم کے لیے ایک عنوان ضروری ہے جب کہ غزل کا کوئی عنوان نہیں ہوتا۔ غزل کا ہر شعر اپنی الگ معنی رکھتا ہے جب کہ نظم ایک ہی مرکزی خیال کے گرد گھومتی رہتی ہے۔

5- طلبہ کو اچھی غزل کی خوبیاں بورڈ پر لکھ کر سمجھائیں۔

جواب: اچھی غزل کی خوبیاں

غزل کے لغوی معنی ہیں عشق و محبت کی باتیں کرنا یا عورتوں سے باتیں کرنا، شکار کے وقت ہرن کے منہ سے جو فریاد نکلتی ہے اس کو بھی غزل کہتے ہیں۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ محبت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انسان کو انسان سے اپنے ملک اور قوم سے اور سب سے بڑھ کر خدا سے محبت ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسے صرف عورت کی ذات تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔

غزل کے اشعار بظاہر تو اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں لیکن اصل میں اس سے حقیقی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ اچھی غزل وہ ہوتی ہے جس کے الفاظ عام فہم ہوں اور اس میں عشقِ حقیقی کا ذکر ہو۔

http://www.office.com.pk

اہم معروضی سوالات

سبق کے متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درست جواب کی (✓) سے نشان دہی کریں۔

(الف) آدمی ملتا ہے:

(i) رشتے داروں سے (ii) دوستوں سے
(iii) اپنے بزرگوں سے (iv) دوسرے آدمیوں سے

(ب) شاعر اپنے محبوب کے ستم بھول جاتا ہے جب وہ ملتا ہے:

(i) روزانہ (ii) سادگی سے
(iii) دیر کے بعد (iv) اچانک

(ج) بقول شاعر آج پھولوں کا رنگ ملتا ہے:

(i) محبوب کی آنکھوں سے (ii) محبوب کے ہونٹوں سے
(iii) محبوب کی ہنسی سے (iv) محبوب کے چہرے سے

(د) محبوب کی خوش قامتی کا سلسلہ ملتا ہے:

(i) سرو کے درخت سے (ii) قیامت سے
(iii) پریوں سے (iv) غرور سے

(ہ) ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے جو

(i) روزانہ ملے (ii) کبھی کبھار ملے
(iii) مل کے بھی نہیں ملتا (iv) ملتا ہی رہتا ہے

(و) ہوش کے بے خودی میں ملنے سے کام سنورتے ہیں:

(i) برسوں کے اٹکے ہوئے (ii) دنیا کے
(iii) غیروں کے (iv) اپنوں کے

جواب

(الف)	(iv)	(ب)	(ii)	(ج)	(iii)	(د)	(ii)
(ہ)	(iii)	(و)	(ii)				

http://www.office.com.pk